بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿اصولِ عقائد﴾

اصول کا لغوی معنیٰ:

"اصول" اصل کی جمع ہے اور لغت میں بنیاد اور جڑ کو اصل کہتے ہیں۔

اصول کا اصطلاحی معنیٰ:

اصطلاحی اعتبار سے لفظ "اصول" کئی معانی کے لئے استعمال ہوتا ہے:

1: کبھی لفظ اصول؛ ان قواعد وکلیات کے لئے استعمال ہوتا ہے جن سے فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ اور مستنبَط شدہ فقہی مسائل کو فروع کہتے ہیں۔

2: کبھی لفظ اصول؛ عقائد کے لئے استعمال ہوتا ہے اور اس کے مقابلہ میں فروع آتا ہے تو اس سے مراد اعمال ہوتے ہیں۔

3: کبھی لفظ اصول؛ مطلقاً قواعد کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور اس سے مراد اس فن کے وہ قوانین وکلیات ہوتے ہیں جن پر اس فن کی بنیاد ہوتی ہے۔

عقیدہ کا لغوی معنیٰ:

انسان اپنے دل وضمیر کو جس کا پابند بنائے اسے عقیدہ کہتے ہیں۔

عقیدہ کا اصطلاحی معنیٰ:

عقیدہ ان چیزوں کا نام ہے جن کی دل سے تصدیق واطمینان ضروری ہے اور ان کے بارے میں ایسے یقین کا ہونا ضروری ہے جس میں ذرہ برابر شک نہ ہو۔

اصولِ عقائد کی تعریف:

اصول عقائد سے مراد وہ اصول اور قوانین ہیں جن کو سیکھ کر انسان اپنے عقیدہ کی اصلاح کر سکتا ہے اور ہونے والے شبہات کے جوابات دے سکتا ہے۔

عقیدہ کی اہمیت

1: "اعتقاد" اصل ہے، "عمل" فرع ہے۔ صحیح اعتقاد کے بغیر نہ تو اعمال قبول ہوتے ہیں اور نہ ہی آخرت کے عذاب سے نجات ممکن ہے۔ جبکہ عملِ صالح کے بغیر آخرت میں نجات کی امید ہے، البتہ معاملہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے سپرد ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہیں تو اپنی رحمت سے یا کسی کی شفاعت سے معاف فرمادیں اور چاہیں تو قانونِ عدل سے سزا دیں۔

2: عقیدہ ایسے ہے جیسے گنتی میں عدد ہے اور عمل ایسے ہے جیسے گنتی میں صِفر ہے۔

عدد صفر کے بغیر ایک بھی ہو تو اس کی قیمت ہے اور صفریں عدد کے بغیر جتنی بھی ہوں تو بے قیمت ہیں۔ اسی طرح عقیدہ عمل کے بغیر بھی قیمتی ہے اور عمل جتنے بھی ہوں بغیر عقیدہ کے بے قیمت یعنی بغیر اجر و ثواب کے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مؤمن غیر صالح جس کے پاس ایک نیکی بھی نہ ہو، صرف ایمان ہو تو اس کی بھی قیمت ہے اور کافر صالح (جس کے پاس کچھ اچھے اعمال ہوں) کے پاس چونکہ ایمان نہیں ہے اس لیے اس کے جتنے بھی اعمال ہوں وہ بے قیمت ہیں۔

3: جو چیز جتنی قیمتی ہوتی ہے اس کے رکھنے کا محل اتنا ہی محفوظ ہوتا ہے۔ عقیدہ کا محل "دل" اور عمل کا محل "بدن" ہے۔ عقیدہ چونکہ زیادہ قیمتی تھا اس کا محل دل کو بنایا، عمل نسبتاً کم قیمتی تھا اس کا محل اعضائے بدن کو بنایا۔

4: دل کے بعض اجزاء کٹ جائیں تو بندہ مر جاتا ہے اور اعضائے جسم میں سے بعض اعضاء کٹ جائیں تو بندہ زندہ رہتا ہے اگرچہ کمزور اور ناقص ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اگر ضروریاتِ دین میں سے کوئی ایک عقیدہ

چھوٹ جائے تو بندہ ایمان سے نکل کر کفر میں چلا جاتا ہے، اور اگر ضروریات اھل السنۃ والجماعۃ میں سے کوئی ایک عقیدہ چھوٹ جائے تو بندہ اھل السنۃ والجماعۃ سے نکل کر اہلِ بدعت میں شامل ہو جاتا ہے، اور اگر کچھ اعمال چھوٹ جائیں تو بندہ مومن ہی رہتا ہے اگرچہ کمزور اور ناقص ایمان والا یعنی فاسق ہو جاتا ہے۔

فائدہ:

عقائد کی انہیں اہمیت کی وجہ سے اپنے ایمان اور عقائد کی اصلاح فرضِ عین ہے یعنی ہر شخص کی ذمہ داری ہے کہ وہ اسلامی عقائد کو دل و جان سے تسلیم کرے۔ اور عقائد کی تفصیلات جاننا، عقائد کے دلائل جاننا اور ہونے والے شبہات کے جوابات دینا فرض کفایہ ہے یعنی ہر دور میں ایسے علماء کا موجود ہونا ضروری ہے جن کا اوڑھنا بچھونا عقائد کی محنت ہو۔

عقائد کی اقسام

جو عقائد اھل السنۃ والجماعۃ کی کتب میں مذکور ہیں، ان کی دو قسمیں ہیں۔

1: عقائد قطعیہ

2: عقائد ظنیہ

عقائد قطعیہ:

وہ عقائد جن کی بنیاد پر ایمان اور کفر کا فیصلہ ہو، جنہیں ماننے والے مومن اور نہ ماننے والے کافر ہوں۔ انہیں "ضروریاتِ دین" بھی کہتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کا موجود ہونا، اللہ تعالیٰ کا واحد اور یکتا ہونا، تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی نبوت کا اقرار کرنا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری نبی ہونا اور قیامت کا آنا وغیرہ۔

عقائد ظنیہ:

وہ عقائد جن کی بنیاد پر اھل السنۃ والجماعۃ اور اہل بدعت کا فیصلہ ہو، جنہیں ماننے والے اھل السنۃ والجماعۃ اور نہ ماننے والے اہل بدعت ہوں۔ انہیں ”ضروریاتِ اھل السنۃ والجماعۃ“ بھی کہتے ہیں جیسے انبیاء کرام علیہم السلام کو دنیوی جسم کا روح کے تعلق سے دنیوی قبروں میں زندہ ہونا وغیرہ۔

دلیل کی اقسام

عقائد قطعیہ کے ثبوت کے لئے دلیل قطعی ضروری ہے جبکہ عقائد ظنیہ کے ثبوت کے لئے دلیل ظنی بھی کافی ہے۔

دلیل قطعی:

اس دلیل کو کہتے ہیں جس کا ثبوت بھی قطعی اور یقینی ہو اور اس کا معنیٰ و مفہوم بھی قطعی اور یقینی ہو۔

دلیل قطعی کی تین قسمیں ہیں:

(1): قران کریم کی غیر مؤول آیات۔ یعنی قرآن کریم کی ایسی آیات جن کا مطلب اور مفہوم اس طرح واضح ہو کہ اس میں دوسرے معنیٰ کا احتمال نہ ہو جیسے اہل اسلام کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ واحد ہے اس پر دلیل قرآن کریم کی آیت قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ قطعی اور یقینی دلیل ہے۔

قرآن مجید چونکہ تواتر سے ثابت ہے اس لیے یہ آیت قطعی الثبوت ہے۔ نیز اس آیت میں ”اَحَدٌ“ کی مراد بھی بالکل واضح ہے یعنی اللہ تعالیٰ ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔

(2): احادیث متواترہ۔ یعنی ایسی حدیث جس کو نقل کرنے والی جماعت اتنی زیادہ ہو کہ ان سب کا کسی جھوٹی بات پر اتفاق کر لینا عادۃً محال ہو۔ خواہ تواتر لفظی ہو یا تواتر معنوی ہو جیسے کذب علی النبی کی حرمت والی حدیث لفظاً متواتر ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قیامت سے پہلے آسمان سے نزول کی احادیث، حضرت محمد مہدی کی آمد کی احادیث، موت کے بعد قیامت سے پہلے قبر اور برزخ میں میت سے سوال وجواب کی

احادیث، قبر کے ثواب وعذاب کی احادیث اور انبیاء کرام علیہم السلام کی قبر کی زندگی کی احادیث بھی معنیً متواتر ہیں۔

(3): صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع جیسے خلافتِ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ۔

دلیل ظنی:

اس دلیل کو کہتے ہیں جس کا ثبوت اور مفہوم دونوں یقینی نہ ہوں یا ان میں سے کسی ایک میں ظن ہو۔

دلیل ظنی کی چار قسمیں ہیں:

(1) قطعی الثبوت ظنی الدلالت

ایسی دلیل جو ثبوت کے اعتبار سے قطعی و یقینی ہو لیکن دلالت کے اعتبار سے یقینی نہ ہو یعنی اس کا مفہوم حتمی اور واضح نہ ہو بلکہ اس میں کسی دوسرے معنیٰ کا احتمال پایا جاتا ہو جیسے قرآن کریم کی موول آیات مثلاً جن آیات میں ایمان کی زیادتی کا ذکر ہے وہ ثبوت کے اعتبار سے تو قطعی اور یقینی ہیں البتہ ان آیات میں زیادتی سے مراد ایمان کی کمیت یعنی مقدار بھی ہو سکتی ہے اور کیفیت یعنی ایمان کے ثمرات اور نتائج بھی ہو سکتے ہیں اس لیے یہ ظنی دلیل بنے گی۔

فائدہ:

اھل السنت والجماعت احناف کے ہاں ایسی آیات میں ایمان کے بڑھنے سے مراد ایمان کی کیفیت ہے کمیت نہیں۔

(2) ظنی الثبوت قطعی الدلالت

ایسی دلیل جو ثبوت کے اعتبار سے قطعی اور یقینی نہ ہو یعنی ہر زمانہ میں اس کے نقل کرنے والے اس قدر زیادہ نہ ہوں کہ ان سب کا جھوٹی خبر پر اتفاق کر لینے کو عقل محال سمجھتی ہو لیکن دلالت کے اعتبار سے یقینی ہو یعنی اس کا مفہوم حتمی اور واضح ہو، اس میں کسی دوسرے معنیٰ کا احتمال نہ ہو جیسے انبیاء کرام علیہم السلام کے مال میں وراثت جاری نہ ہونے کی حدیث۔ یہ حدیث خبر واحد ہے، اس لیے کہ اس کا ثبوت قطعی نہیں بلکہ

ظنی ہے لیکن اس کی دلالت اپنے مفہوم پر قطعی ہے کیونکہ اس روایت کے الفاظ "لَا نُورَثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ." (کہ ہمارا کوئی وارث نہیں بنتا، ہم جو کچھ چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے) اس معنی میں واضح اور صریح ہے کہ یہاں مال کا حکم بیان کیا جارہا ہے۔

(3) ظنی الثبوت ظنی الدلالت

ایسی دلیل جو ثبوت کے اعتبار سے قطعی اور یقینی نہ ہو یعنی ہر زمانہ میں اس کے نقل کرنے والے اس قدر زیادہ نہ ہوں کہ ان سب کا جھوٹی خبر پر اتفاق کر لینے کو عقل محال سمجھتی ہو اور دلالت کے اعتبار سے بھی یقینی نہ ہو یعنی اس کا مفہوم حتمی اور واضح نہ ہو، اس میں کسی دوسرے معنی کا احتمال پایا جاتا ہو جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان کہ مسلمان کی روح کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے جسم کی طرف لوٹائیں گے۔

مسند احمد رقم الحدیث:15778

یہ حدیث مبارک خبر واحد ہے، اس لیے اس کا ثبوت قطعی نہیں بلکہ ظنی ہے اسی طرح اس کا مفہوم بھی قطعی اور یقینی نہیں بلکہ اس میں دو معنوں کا احتمال موجود ہے۔ ایک تو یہ کہ موت کے بعد قیامت سے پہلے روح اور جسم کا بالکل ہی تعلق نہیں ہوتا اور نہ ہی جسم زندہ ہوتا ہے بلکہ یہ تعلق اور حیات قیامت کے دن ملے گی ۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ روح اور جسم کا ظاہری اور مکمل تعلق تو قیامت کے دن ہو گا البتہ اتنا تعلق موت کے بعد رہتا ہے کہ میت اس تعلق کی وجہ سے ثواب اور عذاب کو محسوس کرتی رہتی ہے اور یہی دوسرا مطلب ہی راجح ہے کیونکہ اس پر دیگر دلائل موجود ہیں۔

(4) استنباط

قرآن وحدیث میں غور وفکر کر کے نئے پیش آنے والے مسائل کا حکم نکالنے کا نام "استنباط" ہے جیسے انبیاء کرام علیہم السلام کا فرشتوں سے افضل ہونا۔

فائدہ نمبر 1:

اوپر ذکر کی گئی تفصیل سے ثابت ہوا کہ ہر عقیدہ کے ثبوت کے لئے دلیل قطعی کا مطالبہ کرنا درست نہیں بلکہ دلیل عقیدہ کے مطابق دی جائے گی۔ اگر کسی عقیدہ کے ماننے والے کو "مومن" اور نہ ماننے والے کو "کافر" کہا جائے تو اس کے لئے دلیل قطعی کی ضرورت ہوگی اور اگر ماننے والے کو "اھل السنۃ والجماعۃ" اور نہ ماننے والے کو "اہلِ بدعت" کہا جائے تو دلیلِ قطعی کی ضرورت نہیں ہوگی بلکہ دلیلِ ظنی بھی کافی ہوگی۔

فائدہ نمبر 2:

دلیل کی اور بھی تقسیم ہے وہ یہ کہ دلیل کی دو قسمیں ہیں۔

(1) دلیل تحقیقی

اس دلیل کو کہتے ہیں جس کے مقدمات مستدِل کے ہاں سچے ہوں فریق مخالف انہیں مانے یا نہ مانے اس دلیل کا مقصد احقاقِ حق ہوتا ہے۔

(2) دلیل الزامی

اس دلیل کو کہتے ہیں جس کے مقدمات فریقِ مخالف کے ہاں مسلَّم ہوں خواہ وہ درست ہوں یا نہ ہوں اس دلیل کا مقصد ابطالِ باطل اور فریق مخالف کو چپ کرانا ہوتا ہے۔

مشہور ائمہ علم الکلام

اس امت میں بہت سارے متکلمین گزرے ہیں جنھوں نے اپنے اپنے زمانہ میں تحریر اور تقریر کے ذریعے اہل حق کے عقائد کی اشاعت اور تحفظ کا کام کیا ہے اور اھل السنۃ والجماعۃ کے اعتقادات کی توضیح فرمائی۔ یہاں ان میں سے تین کا تعارف کرایا جاتا ہے۔ امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت (ت150ھ)، امام ابو الحسن علی بن اسماعیل الاشعری الشافعی (ت324ھ) اور امام ابو منصور محمد بن محمد بن محمود ماتریدی الحنفی (ت333ھ) رحمہم اللہ۔ اس لیے کہ یہ تینوں حضرات علم الکلام کی بنیاد ہیں۔

(1):امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ ت 150ھ

آپ کا نام نعمان والد کا نام ثابت، وصفی کنیت ابو حنیفہ اور لقب امام اعظم ہے۔ آپ رحمہ اللہ 80 ہجری میں کوفہ میں پیدا ہوئے اور 150 ہجری میں انتقال ہوا۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا زمانہ پایا، صحابہ کرام کی زیارت کی اور ان سے علم حاصل کیا۔ حصولِ علم کے بعد آپ رحمہ اللہ نے پوری زندگی دینِ اسلام کی خدمت کی بالخصوص علم الکلام اور علم الفقہ میں آپ کا ایک نمایاں نام اور مقام ہے۔ آپ نے اپنے دور میں وجودِ باری تعالیٰ کے منکرین سے کئی مناظرے کیے اور ہمیشہ ان کو شکست دی اس لیے فقہاء میں سے آپ کو سب سے پہلا متکلم یعنی علم الکلام کا ماہر ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ آپ نے علم الکلام پر تحریری کام بھی فرمایا اس عنوان پر آپ کی کتب درج ذیل ہیں۔

1:الفقہ الاکبر بروایۃ امام حماد بن ابی حنیفۃ

2:الفقہ الاکبر (المعروف الفقہ الابسط) بروایۃ امام ابی مطیع البلخی

3:الرسالۃ الی عثمان البَتِّیْ

4:کتاب العالم والمتعلم

5:کتاب الوصیۃ۔

(2):امام ابو الحسن علی بن اسماعیل الاشعری الشافعی رحمہ اللہ ت 324ھ

آپ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے تھے، قبیلہ اشعر کی طرف نسبت کی وجہ سے ان کو اشعری کہتے ہیں، 260 ہجری میں ''بصرہ'' میں پیدا ہوئے اور 324 ہجری میں انتقال ہوا۔

بچپن میں والد کا انتقال ہو گیا' بعد میں ان کی والدہ کا نکاح مشہور معتزلی ''محمد بن عبد الوھاب بن سلام المعروف ابو علی جُبَّائی'' (ت 303ھ) سے ہو گیا۔ آپ نے ''فن مناظرہ اور علم الکلام'' ابو علی جُبَّائی کی تربیت میں رہ کر حاصل کیا لیکن نہایت سلیم الطبع اور سلیم الفطرت ہونے کی وجہ سے معتزلہ کی رکیک اور بعید از عقل تاویلات

کی وجہ سے مسلک اھل السنۃ والجماعۃ کو قبول کیا اور تاحیات عقائد اھل السنۃ والجماعۃ کے اثبات اور معتزلہ کی تردید میں دلائل دیتے رہے حتی کہ معتزلہ کے نظریہ "اصلح للعباد اللہ پاک پر واجب ہے" پر ابو علی جبائی معتزلی سے مناظرہ کیا اور اسے شکست بھی دی۔

(3): امام ابو منصور محمد بن محمود ماتریدی الحنفی رحمہ اللہ ت 333ھ:

آپ رحمہ اللہ ماوراء النہر سمرقند کے ایک گاؤں "ماترید" میں پیدا ہوئے۔ اس گاؤں کی طرف نسبت کی وجہ سے آپ کو "ماتریدی" کہتے ہیں۔ آپ رحمہ اللہ نے معتزلہ کے رد اور اھل السنۃ والجماعۃ کے افکار کی تائید میں راہِ اعتدال اختیار فرمائی۔ فروع میں امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمہ اللہ کے مقلد تھے۔ آپ محدث زمانہ امام ابو جعفر طحاوی رحمہ اللہ ت 321ھ کے ہم عصر تھے۔ 333ہجری میں وفات پائی۔

فائدہ نمبر 1:

عقائد میں ائمہ اربعہ اور اشاعرہ اور ماتریدیہ کا اتفاق ہے کیونکہ عقائد کا جو اختلاف ہوتا ہے یا یہ اسلام سے نکالتا ہے یا سنت سے نکالتا ہے یعنی آدمی کافر فی العقیدہ ہوتا ہے یا مبتدع فی العقیدہ ہوتا ہے اور اور یہاں اختلاف کے باوجود ہم کسی کو کافر اور مبتدع نہیں کہتے کیونکہ جو اسلام سے کفر یا سنت سے بدعت کی طرف اختلاف لے جائے وہ اختلاف حقیقی ہوتا ہے اور یہاں اختلاف حقیقی نہیں ہے بلکہ نزاع لفظی ہے تو نزاع لفظی کا حکم اور ہوتا ہے اور نزاع حقیقی کا حکم اور ہوتا ہے۔

فائدہ نمبر 2:

نزاع حقیقی:

نزاعِ حقیقی میں حقائق و نظریات کا اختلاف ہوتا ہے جیسے اہل حق کا عقیدہ ہے کہ ثواب وعذاب قبر برحق ہے اس کے مقابلہ میں یہ عقیدہ رکھنا کہ قبر میں ثواب وعذاب نہیں ہوتا یہ "نزاع حقیقی" کہلاتا ہے۔

نزاع لفظی:

نزاع لفظی میں نظریہ میں اتفاق اور تعبیرات کا اختلاف ہوتا ہے۔ جیسے اھل السنۃ والجماعۃ متکلمین اور صوفیاء کا موقف یہ ہے کہ دنیا میں احوال راحت وتکلیف اَصالۃً اور اَصلاً جسم پر آتے ہیں اور تبعاً اور ضمناً روح پر آتے ہیں۔ اور موت کے بعد احوال (ثواب وعذاب) اَصالۃً اور اَصلاً روح پر آتے ہیں اور تبعاً اور ضمناً جسم پر آتے ہیں لیکن متکلمین اھل السنۃ والجماعۃ روح کو "روح" جبکہ صوفیاء اھل السنۃ والجماعۃ روح کو "جسدِ مثالی" کا نام دیتے ہیں کیونکہ روح متشکل بجسد العضری ہو جاتی ہے۔ اور اس بناء پر وہ یہ تعبیر اختیار کرتے ہیں کہ ثواب وعذاب جسم مثالی کو دیا جاتا ہے۔

شبہ:

آپ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مقلد ہیں یا ابو الحسن اشعری اور امام ابو منصور ماتریدی رحمہما اللہ کے؟ اگر آپ امام ابو حنیفہ کے مقلد ہیں تو پھر خود کو اشعری اور ماتریدی کیوں کہتے ہیں؟

جواب:

ہم اصول وفروع میں امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ ہی کے مقلد ہیں۔ لیکن تقلید میں اصول کا معنی عقائد نہیں ہے بلکہ اصول سے مراد وہ قوانین ہیں جن سے فروع کا استنباط ہوتا ہے اور فروع سے مراد مسائل ہیں۔

باقی امام ابو الحسن اشعری اور امام ابو منصور ماتریدی کی طرف نسبت؛ تقلید کی وجہ سے نہیں بلکہ اس وجہ سے ہے کہ ان کے دور میں فرقہ معتزلہ وغیرہ نے عقائد کی ایسی تشریحات کی تھیں جو اھل السنۃ والجماعۃ کے اعتقادات کے خلاف تھیں تو ان دو حضرات نے معتزلہ وغیرہ کا رد کر کے اھل السنۃ والجماعۃ کے عقائد کی صحیح ترجمانی کی۔ اس لیے ہم ان کی طرف نسبت کرتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ اشعری اور ماتریدی نسبت معتزلہ

کے مقابلہ میں ہے نہ کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مقابلے میں جیسا کہ "دیوبندی" نسبت تقلید کی وجہ سے نہیں بلکہ احناف کی صحیح ترجمانی کی وجہ سے ہے۔

﴿اسلاف کے فہم کو ترجیح﴾

اگر اھل السنۃ والجماعۃ کا کوئی عقیدہ و نظریہ بظاہر قرآن کریم کی کسی آیت یا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی فرمان سے ٹکرا جائے تو اس وقت دیکھا جائے کہ ان آیات واحادیث کے ہوتے ہوئے اسلاف کا عقیدہ کیا تھا۔ جو ان کا عقیدہ ہو اسی کو لیا جائے گا کیونکہ اسلاف کے علم میں اس عقیدہ پر کوئی دلیل موجود ہوتی ہے لیکن ہمیں اس دلیل کا علم نہیں ہوتا۔ یا پھر اس آیت کا ظاہری معنیٰ مراد نہیں ہوتا بلکہ کچھ اور مراد ہوتا ہے جسے سامنے رکھتے ہوئے اسلاف آیت اور عقیدہ میں تطبیق دیتے ہیں۔

مثال نمبر 1:

اھل السنۃ کے تمام عقلاء یعنی شوافع، احناف، مالکیہ اور فاضل حنابلہ اور دیگر اہلِ علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ جہت، جسم، حد، مکان اور اپنی مخلوقات کی مشابہت رکھنے سے پاک ہے۔

یہ عقیدہ بظاہر قرآن کریم کی آیت ﴿ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ﴾ کے خلاف ہے، اس آیت سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اللہ پاک عرش پر ہیں لیکن حقیقت میں یہ آیت کے خلاف نہیں اس لیے کہ اس کا معنی وہ نہیں جو بظاہر نظر آرہا ہے بلکہ یہاں استواء علی العرش سے مراد اللہ تعالی کا عرش پر غالب ہونا ہے۔

فائدہ:

اس کی مزید تفصیلات بندہ کی تصنیف "توحید باری تعالیٰ" میں ملاحظہ فرمائی جائے۔

مثال نمبر 2:

اھل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ ہے کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام معصوم ہیں یعنی ان سے کسی بھی قسم کی معصیت اور گناہ سرزد نہیں ہوتا البتہ نبی سے اجتہادی خطا اور بھول ہو سکتی ہے۔

یہ عقیدہ بظاہر قرآن کریم کی آیت ﴿وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى﴾ کے خلاف ہے، اس آیت سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام معصوم نہیں ہیں لیکن حقیقت میں یہ آیت کے خلاف نہیں اس لیے کہ اس کا معنی وہ نہیں جو بظاہر نظر آرہا ہے بلکہ یہاں عصٰی سے مراد "نافرمانی" نہیں بلکہ لغزش سرزد ہونا اور بھول جانا ہے۔ اسی طرح یہاں "غَوٰى" کا معنیٰ گمراہی نہیں ہے بلکہ اس کا معنی ہے "مشقت میں پڑ جانا"۔ اب آیت کا معنی یہ ہوگا کہ آدم علیہ السلام سے لغزش ہوگئی جس کی وجہ سے جنت کی عیش جاتی رہی اور آپ علیہ السلام کو دنیا میں بھیج دیا گیا، دنیا کی زندگی تلخ ہوگئی اور آپ کو مشقت اور مشکلات پیش آئیں۔

فائدہ:

اس کی مزید تفصیلات بندہ کی تصنیف "عصمتِ انبیاء علیہم السلام" میں ملاحظہ فرمالی جائے۔

مثال نمبر 3:

اھل السنۃ والجماعۃ کا اجماعی عقیدہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبور مبارکہ میں نماز ادا کرتے ہیں۔ یہ عقیدہ بظاہر قرآن کریم کی آیت ﴿وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ﴾ کے خلاف ہے، اس آیت سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ وفات کے بعد عبادت نہیں ہوتی لیکن حقیقت میں یہ آیت کے خلاف نہیں اس لیے کہ اس کا معنی وہ نہیں جو بظاہر نظر آرہا ہے کیونکہ عبادت کی دو قسمیں ہیں:

1: عبادت تکلیفی:

جس کے کرنے کا انسان کو حکم ہو اور جس کے کرنے پہ ثواب نہ کرنے پہ گناہ ہو جیسے پانچ وقت کی نماز۔

2: عبادت تلذذی:

جس کے کرنے کا حکم نہ ہو انسان اس کا مکلف نہ ہو اور نہ ہی اس کرنے پہ ثواب اور ترک پہ گناہ ہو بلکہ وہ صرف لذت کے لئے کی جائے۔

موت تک کی جانے والی عبادت عبادت تکلیفی ہوتی ہے جبکہ موت کے بعد کی جانے والی عبادت عبادت تلذذی ہوتی ہے۔

فائدہ:

اس کی مزید تفصیلات بندہ کی تصنیف ”حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم “میں ملاحظہ فرمائی جائے۔

﴿نصوص کا ظاہری معنیٰ مراد لینا﴾

کہاں نص کا ظاہری معنی لینا ضروری ہے؟ کہاں نص کا ظاہری معنی ترک کرنا ضروری ہے؟ اور کہاں ظاہری معنی کو ترک کرنے کی گنجائش ہے؟ اس بارے میں چند اصول ذکر کیے جاتے ہیں:

اصل نمبر1:

نصوص (آیت اور حدیث) کو ان کے ظاہر پر رکھنا ضروری ہے۔ بغیر کسی دلیلِ شرعی کے نصوص (آیت اور حدیث) کے ظاہری معنی کو ترک کرنا اور غلط تاویل کرکے ظاہری معنی کے بجائے باطنی معنی مراد لینا جائز نہیں جیسے قرآن کریم کی کئی آیات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد فرامین میں جنت اور جنت کی نعمتوں کا تذکرہ موجود ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت ایک مخصوص مکان کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو عطا فرمائیں گے۔ اب اس حقیقی اور ظاہری معنیٰ کو چھوڑ کر یہ کہنا کہ جنت کسی مکان کا نام نہیں بلکہ احکام سے آزادی کا نام ہے درست نہیں۔

اصل نمبر2:

اگر کسی آیت اور حدیث کا ظاہری معنی مراد لینا ممکن نہ ہو تو نص کی تاویل کرنا واجب ہے جیسے وہ آیات جن میں اللہ تعالیٰ کے لیے جہت علو ثابت ہوتی ہے مثلاً ﴿أَأَمِنْتُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ﴾ اس آیت کا ظاہری معنی مراد لینا ممکن ہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ ذات کے اعتبار سے آسمان میں ہے کیونکہ آسمان؛ عرش سے بہت چھوٹا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کو آسمان میں مانا جائے تو لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ عرش سے بھی چھوٹے ہوں

حالانکہ دلائل قطعیہ سے یہ بات ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ سب سے بڑے ہیں۔اس لیے آیت کا ظاہری معنیٰ مراد لینے کی بجائے اس میں تاویل کرتے ہوئے کہا جائے گا کہ اس آیت کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بادشاہت اور سلطنت آسمان میں بھی ہے۔

اصل نمبر3:

بسا اوقات آیت اور حدیث کو اپنے ظاہر پر رکھتے ہوئے اس میں ایسا اشارہ خفیہ یا لطیفہ علمیہ ذکر کرنا جو ظاہر عبارت کے خلاف نہ ہو اور نہ ہی اس سے مقصودی معنی کی تردید ہوتی ہو جائز ہے جیسے قرآنی حکم ہے کہ غیر شادی شدہ مرد اور عورت پر جب حد لگائی جائے تو لوگوں کی موجودگی میں لگائی جائے تاکہ دیکھنے والوں کو عبرت حاصل ہو۔اب آیت کا یہ معنیٰ مانتے ہوئے یہ کہنا کہ آیت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ شیخ جب مرید کی تادیب کرنا چاہے اور اس کے نفس اَمارہ (کے مکروفریب کو) ختم کرنا چاہے تو اس مرید کی تادیب اپنے ان مریدین کے مجمع میں کرے جنہیں تادیب کی ضرورت نہیں۔

نقل کو عقل پر ترجیح ہوگی

اگر شریعت کا کوئی عقیدہ و نظریہ دلائل نقلیہ قطعیہ سے ثابت ہو اور اس کا مضمون بظاہر عقل کے خلاف ہو تو اس میں نقل کو عقل پر ترجیح دی جائے گی، محض بظاہر عقل کے خلاف ہونے کی وجہ سے نصوص میں بے جا تاویل کرنا اور اس عقیدہ کا انکار کرنا جائز نہیں۔

فائدہ:

کوئی عقیدہ عقلِ سلیم کے خلاف ہرگز نہیں ہوتا البتہ بسا اوقات عقل سے ماوراء ہوسکتا ہے۔بعض لوگ کسی عقیدہ کے عقل سے ماوراء ہونے کو عقل کے خلاف سمجھ لیتے ہیں اور اس عقیدہ کا انکار کردیتے ہیں جس طرح معتزلہ بعض عقائد (قبر کے سوال وجواب، قبر کے ثواب وعذاب اور وزنِ اعمال) کو اپنی عقل کے خلاف سمجھ کر ان عقائد کا انکار کردیتے ہیں۔

﴿عقیدہ کی حقانیت کا اعتقاد﴾

ہر مؤمن کو یہ اعتقاد رکھنا ضروری ہے کہ میرا عقیدہ حق ہے اور میرے مخالف کا عقیدہ باطل ہے۔ اس لیے کہ ایمان کا معنیٰ "یقین" ہے۔ اگر اپنے عقیدے کے حق ہونے کا یقین نہ ہو تو بندہ مؤمن ہی نہیں رہتا۔ لہذا عقائد کے بارے میں یہ اعتقاد رکھنا ضروری ہے کہ ہمارا عقیدہ ہی حق اور ہمارے مخالف کا عقیدہ باطل ہے البتہ مسائلِ اجتہادیہ و مذاہب میں یہ اعتقاد رکھنا ضروری ہے کہ ہمارا مذہب درست ہے لیکن اس میں خطا کا احتمال بھی ہے اور ہمارے مخالف کا مذہب خطا ہے لیکن اس میں درست ہونے کا احتمال بھی ہے۔

﴿مشق نمبر 1﴾

مختصر جواب لکھیں:

1. عقیدہ کا لغوی اور اصطلاحی معنیٰ لکھیں۔
2. عقیدہ کی دو اہمیتیں تحریر کریں۔
3. عقائد قطعیہ اور ظنیہ کی تعریف لکھیں۔
4. دلیل قطعی اور دلیل ظنی کی تعریف لکھیں۔
5. دلیل قطعی اور دلیل ظنی کی کتنی اقسام ہیں؟ صرف تعداد لکھیں۔
6. اپنے استاذ صاحب کی معاونت سے امام ابو حنیفہ کی شخصیت پر پانچ صفحات کا ایک جامع نوٹ لکھیں۔
7. نزاع لفظی اور نزاع حقیقی کی تعریف بمع مثال تحریر کریں۔
8. اسلاف کے فہم کو ترجیح ہوتی ہے اس پر کوئی ایک مثال لکھیں۔
9. اامنتم من فی السماء سے بظاہر اللہ تعالیٰ کا آسمان میں ہونا ثابت ہوتا ہے آپ اس آیت کی وضاحت اھل السنۃ والجماعۃ کے عقیدہ کے مطابق کریں۔
10. اپنے عقیدہ کی حقانیت کا اعتقاد کس حد تک ضروری ہے؟۔

﴿ایمان، اسلام اور کفر کی بحث﴾

ایمان کا لغوی معنٰی:

ایمان کا لغوی معنی تصدیق ہے یعنی خبر دینے والے کی خبر کا یقین کر کے اسے قبول کرنا اور مخبِر کو سچا قرار دینا۔

ایمان کا اصطلاحی معنٰی:

اصطلاحِ شریعت میں ایمان کہتے ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو چیزیں واضح طور پر ثابت ہیں ان تمام چیزوں کی تصدیق کرنا جو چیزیں تفصیلاً ثابت ہیں ان کی تفصیلی اور جو اجمالاً ثابت ہیں ان کی اجمالی تصدیق کرنا۔

ایمان کی قسمیں:

ایمان کی دو قسمیں ہیں:

1: ایمان اجمالی: جسے ایمان مجمل بھی کہتے ہیں۔ یعنی اس بات کا اقرار کرنا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام تعلیمات کو میں سچا جانتا اور مانتا ہوں۔

2: ایمانِ تفصیلی: جسے ایمان مفصل بھی کہتے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات، فرشتے، آسمانی کتابیں، تمام انبیاء اور رسول، قیامت اور تقدیر وغیرہ کے بارے میں جتنی باتیں قرآن و سنت اور اجماع امت سے ثابت ہیں ان کی دل سے تصدیق کرنا اور بوقت ضرورت زبان سے اقرار کرنا۔

فائدہ نمبر 1:

اس حوالے سے چند باتیں قابلِ ذکر ہیں:

(1): مومن ہونے کے لیے ایمانیات کا اجمالی اعتقاد کافی ہے، تفصیلات اور ان کے دلائل کا جاننا ضروری نہیں۔

(2): اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا ایمانیات میں اصل الاصول کا درجہ رکھتا ہے۔اس میں اجمالی ایمان کافی ہے تو باقی امور میں بھی اجمالی ایمان کافی ہو گا۔

(3): اللہ تعالیٰ پر اجمالی ایمان لانے کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث مبارکہ میں جو صفات باری تعالیٰ بیان فرمائی ہیں بس ان کو مان لیا جائے، سمجھ میں آ جائیں تب بھی مانا جائے اور اگر سمجھ میں نہ آئیں تب بھی مانا جائے۔

(4): اللہ تعالیٰ، انبیاء کرام علیہم السلام، ملائکہ، آسمانی کتابیں اور آخرت وغیرہ کے بارے میں جو چیزیں قرآن وسنت میں بالتفصیل آئی ہیں ان پر تفصیلا ایمان لانا۔

فائدہ نمبر2:

اہلِ علم کے لئے ایمانِ تفصیلی ضروری ہے اور عوام الناس کے لئے ایمانِ اجمالی کافی ہے۔ہاں البتہ اگر کسی علاقے میں کوئی فتنہ یا فرقہ اپنے کسی غلط عقیدہ کا پرچار کر رہا ہو تو اس وقت عوام الناس پر بھی ضروری ہے کہ علمائے حق صحیح عقیدہ جس تفصیل وتوضیح کے ساتھ سمجھائیں تو عوام اس کا اعتقاد رکھیں اور فاسد عقیدہ سے براءت کا اظہار کریں۔ایسے وقت میں عوام کے لیے اجمالی ایمان کافی نہ ہو گا۔

مثال: "حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم" کے بارے میں عوام کے لئے اتنا اعتقاد کافی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں، نماز پڑھتے ہیں، قبر مبارک پر جاکر درود پڑھا جائے تو خود سنتے ہیں اور اگر دور سے پڑھا جائے تو فرشتے پہنچاتے ہیں۔اب اگر کسی علاقے میں کوئی فرقہ اس صحیح عقیدہ کے خلاف فاسد عقیدہ پیش کرے تو اس وقت جب علمائے حق صحیح عقائد کی جو توضیح وتشریح کریں اور جس تنقیح سے عقیدہ واضح کریں تو عوام پر بھی لازم ہے کہ اسی توضیح، تنقیح اور تفصیل کے ساتھ اس کا اعتقاد رکھیں اور فاسد عقائد کا صراحتًا انکار کریں۔ محض اجمال پر اکتفاء نہ کریں۔

ایمان کی شرائط:

اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی بھی شخص مومن اس وقت شمار ہوتا ہے جب وہ ان تمام چیزوں کی دل وجان سے تصدیق کرے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے، خواہ یہ شخص زبان سے اقرار کرے یا زبان سے اقرار نہ کرے۔

فائدہ نمبر 1:

ایمان اصل میں "تصدیق قلبی" کا نام ہے اقرار باللسان ایمان کی علامت ونشانی ہے۔

فائدہ نمبر 2:

اقرار باللسان تین وقتوں میں ضروری ہے:

[1]: زندگی میں ایک بار ایمان کا زبان سے اقرار کرنا ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص دل سے تصدیق تو کرتا ہو لیکن قدرت کے باوجود زبانی سے اقرار نہ کرتا ہو تو اسے فاسق کہیں گے۔

[2]: بوقت مطالبہ: جب کسی شخص کے بارے میں شبہ ہو کہ یہ مومن ہے یا کافر اور اس وقت اس سے مطالبہ کیا جائے تو اس وقت زبان سے اقرار کرنا ضروری ہے۔

[3]: برائے اجراءِ احکام۔ کسی شخص پر احکامِ اسلام اس وقت جاری ہوں گے جب وہ اپنی زبان سے اسلام کا اقرار کرے۔

فائدہ نمبر 3:

یہ معاملہ انسان اور اللہ تعالیٰ کے مابین ہے مگر اسے کسی معاشرہ میں مومن اس وقت سمجھا جائے گا جب اس میں دو شرائط پائی جائیں:

1: اقرار باللسان

زبان سے شہادتین کا اقرار کرنا۔

2: براءت عن اہل الباطل:

ادیانِ باطلہ سے براءت کا اعلان کرنا

فائدہ نمبر 4:

اگر کوئی شخص دل سے تصدیق بھی کرتا ہے، زبان سے اقرار بھی کرتا ہے لیکن دیگر ادیان کو باطل نہیں سمجھتا تو اس کا ایمان معتبر نہیں۔

نفسِ ایمان میں کمی بیشی نہیں ہوتی:

ایمان کی مقدار نہ تو بڑھتی ہے اور نہ ہی کم ہوتی ہے۔ اس لیے کہ "ایمان" نام ہے اس تصدیقِ قلبی کا جو یقین کی حد تک پہنچی ہو جس میں کمی بیشی کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے کہ اگر یقین میں کمی ہو جائے تو بندہ مؤمن نہیں رہتا اور جب تصدیق؛ یقین کی حد تک پہنچ جائے تو اس میں اضافہ بھی نہیں ہو سکتا۔

تنبیہ:

قرآن کریم کی جن آیات میں ایمان کے بڑھنے کا تذکرہ ہے ان کے بارے میں یاد رکھیں کہ ایک ہے ایمان کی کمیت یعنی "ایمانیات" کہ کن کن چیزوں پر ایمان لانا ضروری ہے۔ ظاہر ہے کہ ایمانیات میں سے کسی چیز کو چھوڑا جا سکتا ہے نہ ہی ان میں اضافہ کیا جا سکتا ہے اور ایمان کے بارے امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے فرمان "لَا یَزِیْدُ وَلَا یَنْقُصُ" کا بھی یہی مطلب ہے، اور ایک ہے ایمان کی کیفیت یعنی حالت اور کیفیت جو کہ ماحول اور احوال کے بدلنے سے بدلتی رہتی ہے۔ یہ کیفیت ماحول اچھا ملنے کی وجہ سے بڑھ جاتی ہے اور ماحول اچھا نہ ملنے کی وجہ سے کم ہو جاتی ہے۔

تو جہاں قرآن کریم میں ہے کہ ایمان بڑھتا ہے تو اس کا معنی یہ ہے کہ ایمان کیفیت کے اعتبار سے کبھی بڑھ جاتا ہے۔ اس لیے یہ آیات مبارکہ امام اعظم رحمہ اللہ کے موقف کے خلاف نہیں ہیں۔

اسلام کالغوی معنی:

لفظ اسلام کالغوی معنی ہے کسی کے حکم کرنے یا منع کرنے کے سامنے بلاچوں چرا سر جھکا دینا۔

اسلام کا اصطلاحی معنی:

اسلام؛اللہ تعالیٰ کے احکام کو تسلیم کرنے اور ان کی اطاعت کرنے کا نام ہے۔

ایمان اور اسلام میں فرق:

ایمان اور اسلام میں لغوی اعتبار سے فرق ہے ایمان نام ہے ماننے کا اور اسلام نام ہے کرنے کا۔ جبکہ شرعی اعتبار سے ان دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ کیونکہ حقیقت میں دونوں ایک ہی ہیں کہ "ایمان" کا معنی ہے دل و جان سے یقین کرنا اور "اسلام" کا معنی ہے دل و جان سے خود کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کرنا۔ مطلب دونوں کا ایک ہی ہے۔

کفر کا لغوی معنیٰ:

جس چیز کو ظاہر کرنا چاہے اسے چھپالینا، یا کسی چیز کا انکار کرنا "کفر" کہلاتا ہے۔

کفر کا اصطلاحی معنیٰ:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو چیزیں بدیہی طور پر ثابت ہیں ان کا انکار کرنا کفر کہلاتا ہے۔

فائدہ:

بدیہی طور پر ثابت شدہ چیزوں کو ضروریات دین بھی کہتے ہیں۔

کفر کی اقسام

[1]: کفر انکار

اسلام کو ظاہراً اور باطناً نہ ماننا یعنی دل میں تصدیق نہ ہو اور زبان سے اقرار نہ ہو جیسے عام کفار کا کفر۔

[2]: کفرِ نفاق

زبان سے اسلام کا اظہار کرنا مگر دل سے انکار کرنا جیسے عبد اللہ بن ابی کا کفر۔

نفاق کی قسمیں:

نفاق کی دو قسمیں ہیں:

ا: نفاق اعتقادی:

اسلام کا اظہار کر کے کفر کو چھپانا جیسے عبد اللہ بن ابی بن سلول کا نفاق۔ کفر کی یہ قسم انتہائی خطرناک ہے اور اس کا اخروی انجام سب سے برا ہے۔

۲: نفاق عملی:

دل میں ایمان موجود ہو اور زبان سے اس کا اظہار بھی کیا جائے لیکن بعض کام ایسے کئے جائیں جو منافقین کی عادات ہیں جیسے جھوٹ بولنا، وعدہ خلافی کرنا، امانت میں خیانت کرنا۔

[3]: کفر ارتداد

اپنی مرضی اور رضامندی سے اسلام قبول کرنے کے بعد اسلام سے پھر جانا جیسے عبد اللہ بن نَواحہ کا کفر۔

فائدہ: مسیلمہ کذاب نے جب دعویٰ نبوت کیا تو اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جو قاصد بھیجے ان میں سے ایک عبد اللہ بن نواحہ اور دوسرا ابن اُثال تھا۔ سن 11 ہجری میں جب مسیلمہ اور اس کے متبعین پر چڑھائی کی گئی تو مسیلمہ اور اس کے کئی متبعین اس جنگ میں واصل جہنم ہوئے اور کئی متبعین بچ گئے۔ عبد اللہ بن نواحہ بھی انہی میں سے تھا جو بچ گئے۔ اس نے اسلام قبول کر لیا لیکن بعد میں مرتد ہو گیا اور اس ارتداد کی وجہ سے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کروا دیا۔

[4]: کفرِ شرک

اللہ کو مان کر اس کی ذات یا مخصوص صفات میں کسی غیر کو شریک کرنا جیسے مشرکینِ مکہ۔

[5]: کفرِ کتابی

پہلی کسی آسمانی کتاب کو مانتے ہوئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد قرآن کریم کا انکار کرنا جیسے یہود و نصاریٰ۔

[6]: کفرِ دہری

عالَم کو قدیم مان کر حوادثات کو زمانہ کی طرف منسوب کرنا جیسے فرقہ دہریہ۔

[7]: کفرِ معطّلی

وجودِ باری تعالیٰ کا انکار کرنا جیسے فرقہ معطّلہ۔

[8]: کفرِ زندقہ

اس کی دو صورتیں ہیں:

1: ایمان کا دعویٰ کر کے ضروریاتِ دین کا صراحتاً انکار کرنا جیسے دعویٰ اسلام کے ساتھ خلافتِ صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کا انکار کرنا۔

2: ایسی تاویل کرنا جو امت کے متواتر عقیدہ کے منافی ہو جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین مان کر ختمِ نبوت میں ظِلّی اور بُرُوزی کی تاویل کرنا۔

فائدہ: ظلی اور بُرُوزی کا معنیٰ:

عربی زبان میں "ظل" سایہ کو کہتے ہیں۔، مرزائیوں کا باطل عقیدہ ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی وجہ سے آپ علیہ السلام کا سایہ ہو گیا اور ان دونوں کی ذات متحد ہو گئی۔ معاذ اللہ

"بُرُوز" (با اور را کے ضمہ کے ساتھ) کا معنی ہے کہ کسی ایک شخصیت کی جگہ کوئی دوسرا شخص ظاہر ہو جائے۔ مرزائی لوگ مرزا قادیانی کو "بروزی نبی" مانتے ہیں۔ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ - معاذ اللہ - مرزا قادیانی؛ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ پر ظاہر ہوا ہے۔

[9]: کفر جحود

دل سے ایمان کی حقانیت سمجھنا اور زبان سے اعتراف نہ کرنا جیسے ابلیس۔

[10]: کفر عناد

دل سے حق سمجھنا، زبان سے اقرار بھی کرنا مگر اسے قبول نہ کرنا جیسے ہرقل کا کفر۔

[11]: کفر مفادی

کسی دنیاوی مفاد کی غرض سے اپنے آپ کو کافر کہنا یا لکھنا جیسے بعض لوگوں کا کسی کافر ملک کا ویزہ حاصل کرنے کے لیے ویزا فارم میں دین (Religion) کے خانے میں خود کو "قادیانی" یا کوئی اور غیر مسلم لکھوانا۔

فائدہ: اپنے آپ کو صراحتاً کسی کافر فرقہ یا اسلام کے علاوہ کسی اور دین کی طرف منسوب کرنا موجبِ کفر ہے۔

فائدہ نمبر 1:

کفر کی ان گیارہ (11) اقسام میں سے آٹھ اقسام کا تذکرہ علامہ سعد الدین مسعود بن عمر بن عبد اللہ تفتازانی رحمہ اللہ ت792ھ نے جبکہ قسم نمبر نو (9) اور دس (10) کا اضافہ خاتم المحدثین علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ 1352ھ نے کیا ہے۔ گیارھویں (11) قسم صراحت کے ساتھ کتبِ علم الکلام میں ہماری نظر سے نہیں گزری لیکن موجودہ دور میں چونکہ ایسا معاملہ پیش آتا رہتا ہے اس لیے بندہ نے ان اقسام میں اس قسم کا اضافہ کر دیا ہے۔

فائدہ نمبر2:

کفر کی تمام اقسام اگرچہ آج موجود ہیں لیکن ہم کسی شخص کو کفر نفاق کی بنیاد پر منافق نہیں کہہ سکتے اس لئے کہ کفر نفاق میں زبان سے اسلام کا اظہار اور دل میں کفر ہوتا ہے جسے معلوم کرنے کا واحد ذریعہ وحی الٰہی ہے اس لئے کفر نفاق دور نبوت کے ساتھ مختص ہے۔

فائدہ نمبر3:

اگر کوئی شخص خود کو کسی کافر فرقہ کی طرف منسوب کرے تو اس کو کافر ہی سمجھا جائے گا اگرچہ اسے اس کافر فرقہ کے عقائد کا علم نہ ہو جس طرح اگر کوئی شخص خود کو مسلمان کہے تو اسے مسلمان ہی سمجھا جائے گا اگرچہ اسے اسلامی عقائد کا علم نہ ہو۔

﴿کفار سے تعلقات کا حکم﴾

کفار سے تعلقات کی چار قسمیں ہیں:

(1): موالات:

یعنی دل سے محبت اور دوستی یہ کسی حال میں بھی جائز نہیں۔

(2): مدارات:

یعنی ظاہری خوش خلقی یہ اِن تین مقاصد میں سے کسی ایک مقصد کے لیے جائز ہے:

(1)...کافر کے شر اور نقصان سے بچنے کے لیے۔

(2)...اس کافر کی ہدایت کے لیے (بشرطیکہ یہ توقع ہو کہ ہمارے اس عمل سے وہ ہدایت کی طرف آئے گا)

(3)...کافر اگر مہمان ہو تو اس کے اکرام کے لیے۔

تنبیہ 1:

اگر آنے والا مہمان مقتداء ہو اور اس کا اکرام کرنے سے فتنے کا خطرہ ہو تو ایسے شخص کا اکرام کرنا جائز نہیں۔ مثلاً لوگوں کے اس کی طرف مائل ہونے کا، مسلمانوں کو تکلیف پہنچنے کا یا کسی قسم کی غلط فہمی پیدا ہونے کا اندیشہ ہو تو اب اکرام نہ کریں۔

تنبیہ 2:

کافر کے ساتھ ظاہری خوش خلقی کرنے میں اگر مقصد.....

- اس کافر سے مال یا جاہ کا حصول ہو
- یا خوش خلقی کرنے میں دینی ضرر اور نقصان ہوتا ہو

تو یہ ظاہری خوش خلقی بھی جائز نہیں۔

(3): مواساۃ یعنی کفار سے غم خواری کرنا، بیمار ہو تو اس کی عیادت کرنا، پریشان ہو تو اسے تسلی دینا، فوت ہو جائے تو اس کے ورثاء سے تعزیت کرنا اور انہیں تسلی دینا وغیرہ۔ جن کفار سے جنگ ہے (یعنی اہلِ حرب) ان کے ساتھ مواسات جائز نہیں ہے البتہ جن سے جنگ نہیں بلکہ حالتِ امن ہے ان کے ساتھ جائز ہے۔

فائدہ:

جب کوئی فوت ہوتا ہے تو ایک ضرورت اہلِ میت کی ہوتی ہے اور ایک ضرورت میت کی۔ اہلِ میت کی ضرورت ان سے اظہار ہمدردی اور تعزیت کرنا ہے۔ اہلِ میت مسلمان ہوں یا غیر مسلم ان سے اظہار ہمدردی کی جاسکتی ہیں۔ جہاں تک میت کا تعلق ہے تو اگر میت؛ مسلمان ہو تو اس کے لیے دعائے مغفرت کرنی چاہیے اور اگر میت؛ غیر مسلم ہو تو اس کے لیے دعائے مغفرت کرنا ہر گز ہر گز جائز نہیں۔ مغفرت کی دعا صرف مسلمانوں کا حق ہے۔ اس لیے غیر مسلم میت کے لیے کبھی بھی ایسا جملہ نہ بولا جائے جس سے اس کی

مغفرت طلب کرنے اور گناہوں کی معافی مانگنے کا ادنیٰ سا پہلو بھی نکلتا ہو۔ اس سے یکسر اجتناب کرنا لازم ہے۔

(4): معاونت یعنی کفار کا تعاون کرنا اس کا حکم یہ ہے کہ جن کفار سے جنگ ہے (یعنی اہلِ حرب) ان کے ساتھ معاونت جائز نہیں ہے اور جن سے جنگ نہیں بلکہ حالتِ امن ہے ان کے ساتھ جائز ہے۔

فائدہ1:

اگر کافر غیر حربی ہو اور اس کو مالی معاونت کی ضرورت ہو تو صدقاتِ واجبہ یعنی زکوٰۃ وغیرہ اسے دینا جائز نہیں البتہ نفلی صدقہ سے تعاون کیا جا سکتا ہے۔

فائدہ2:

جن کفار کا کفر زندقہ کی حد تک پہنچ چکا ہو ان سے بالکلیہ اجتناب ضروری ہے۔

فتویٰ تکفیر میں احتیاط

کسی کے بارے میں کفر کا فتوی دینا ایک نازک مرحلہ ہے جس میں اعتدال کی بے حد ضرورت ہے۔

اس لئے کہ کسی پر کفر کا فتویٰ لگانے کا مطلب یہ ہے کہ

(1): اسے سلام کرنا ناجائز ہے۔

(2): اس سے قلبی تعلق رکھنا ناجائز ہے۔

(3): اس سے کسی مسلمان کا نکاح کرنا ناجائز ہے۔

(4): اگر اس کا نکاح پہلے سے کسی مسلمان سے ہوا ہو تو وہ نکاح باطل ہے۔

(5): اگر وہ فوت ہو جائے تو اس کا جنازہ پڑھنا ناجائز ہے۔

(6): اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا ناجائز ہے۔

(7): اس کے لیے استغفار کرنا ناجائز ہے۔

(8): اس کے لیے استشفاع کرنا ناجائز ہے۔

(9): اس کے لیے ایصالِ ثواب کرنا ناجائز ہے۔

(10): اس کو وراثت میں حصہ دینا اور اس کی وراثت سے حصہ لینا ناجائز ہے۔

شرائط تکفیر

کسی انسان کے کافر ہونے کا فتوی دینا ایک نازک اور اہم ترین مرحلہ ہے اور یہ افتاء کا ایک اہم جزء ہے اس لئے فتوی کفر دینے والے میں نہایت احتیاط کی ضرورت ہے۔ چنانچہ فتویٰ کفر دینے میں درج ذیل باتوں کا خیال رکھنا چاہیے:

[1]: فتویٰ دینے والا شخص اھل اِفتاء میں سے ہو۔

[2]: فتویٰ دینے والا شخص عرف سے واقف ہو۔

[3]: جس شخص کے بارے میں فتویٰ کفر دیا جارہا ہے اس میں اسبابِ کفر میں سے کوئی سبب موجود ہو۔

[4]: جس شخص کے بارے میں فتویٰ کفر دیا جارہا ہے اس میں موانع کفر موجود نہ ہوں۔

ہر ایک کی تفصیل پیش خدمت ہے۔

شرائط اھلِ افتاء

1. عاقل و بالغ ہو، (شریعت کے احکام کا مکلّف ہو، نابالغ اور مجنون نہ ہو)
2. مسلمان ہو
3. ثقہ ہو (یعنی اپنے فن میں پختہ و مضبوط آدمی ہو)
4. با اعتماد ہو
5. اسباب فسق سے بچنے والا ہو
6. خلاف مروّت امور سے بچنے والا ہو

7. فقہی ذوق کا حامل ہو یا نفس کے مکر و فریب سے واقف ہو

8. ذکاوت و فطانت والا ہو فطرت سلیمہ کا مالک ہو

9. رائے والا ہو

10. اصول و قواعد کو فروعات پر منطبق کرنے اور دلائل کی تہہ میں چھپے مسائل نکالنے کا درست ملکہ رکھنے والا ہو

11. بیدار مغز ہو۔

شبہ: اگر کوئی شخص ضروریات دین مثلاً توحید، رسالت، قیامت کا انکار کرتا ہو تو کیا اس کو بھی عام شخص کافر نہ کہے اور اس کو کافر کہنے کے لیے مفتی کے فتویٰ کا انتظار کرے؟

جواب: یہ جو ہم نے کہا کہ کسی کے بارے میں فتویٰ کفر دینے کے لیے آدمی کا "مفتی" ہونا ضروری ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی شخص کا کفر واضح نہ ہو اور اس کے کفر میں کوئی شبہ موجود ہو کہ ممکن ہے کہ اس میں ایمان کا کوئی احتمال موجود ہو تو ایسے شخص پر فتویٰ کفر صادر کرنے کے لیے "مفتی" ہونا ضروری ہے تاکہ وہ اس کی تحقیق و تفتیش کرے۔ باقی جو شخص ضروریات دین کا انکار کرتا ہو جیسے وجود باری تعالیٰ کا انکار، نبوت کا انکار یا قیامت کا انکار کرتا ہو تو اس کے کفر میں کوئی شبہ ہی نہیں، ایسے شخص کا کفر چونکہ بالکل واضح ہے اس لیے اسے کافر کہنے کے لیے کسی مفتی کے فتویٰ کی حاجت نہیں۔

معرفتِ عرف

کفر کا فتوی دینے والے شخص کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ عرف، سوسائٹی اور معاشرہ کو جانتا ہو۔ بسا اوقات کوئی جملہ شریعت کی نظر میں بہت خطرناک ہوتا ہے لیکن عرف اور ماحول میں وہ لفظ کسی اور مقصد کے لئے استعمال ہوتا ہے کیونکہ عرف کی وجہ سے احکام بدل جاتے ہیں جیسے کسی چھوٹے بچے کو معصوم کہنا۔ گر کوئی انسانوں میں سے انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ کسی اور کو معصوم مانے اور غیر نبی کو نبی کے

برابر درجہ دے تو وہ کافر ہو جاتا ہے لیکن ہمارے عرف میں چھوٹے بچوں کو معصوم کہہ دیا جاتا ہے۔ چونکہ کہنے والے اس کا معنی شرعی مراد نہیں لیتے بلکہ معنی عرفی (سادہ، بھولا بھالا، ناسمجھ اور غیر مکلف) مراد لیتے ہیں اس لیے بچوں کو معصوم کہنے والے کافر نہیں ہوتے۔

فائدہ:

نبی کو معصوم ماننے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی سے گناہ ہونے نہیں دیتے۔ جہاں تک ہمارے عرف میں چھوٹے بچے کو معصوم کہنے کا تعلق ہے تو اس کا معنی یہ ہے کہ یہ بچہ ہے، اگر یہ بچہ کوئی گناہ کر بھی لے تو نابالغ ہونے کی وجہ سے اس کے گناہوں کو لکھا نہیں جاتا۔

تکفیر کے اسباب

اختصار کے ساتھ پانچ ایسے اسباب ذکر کئے جاتے ہیں جن کی وجہ سے بندہ ایمان سے محروم ہو جاتا ہے۔

1: انکار

ضروریاتِ دین میں سے کسی ایک کا صراحتاً انکار کرنا جیسے اللہ تعالیٰ کی توحید، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت اور قیامت کے دن جسموں کے دوبارہ زندہ ہونے کا انکار کرنا۔

2: استحلال

جن امور کو شریعت نے حرام قرار دیا ہے ان کو حلال سمجھنا جیسے شراب۔ اس کے لیے دو شرطیں ہیں:

[1]: حلال سمجھنے والے کو معلوم ہو کہ یہ چیز حرام ہے۔

[2]: اس چیز کی حرمت قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت ہو۔

3:استخفاف

کسی غیر معمولی چیز کو معمولی سمجھنا اور عظیم چیز کو حقیر سمجھنا۔

اس کی دو صورتیں ہیں:

[1]: جن چیزوں کو شریعتِ مطہرہ نے عزت و احترام بخشا ہے ان کی توہین و تذلیل کرنا جیسے اللہ تعالیٰ کے نام کی توہین کرنا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرنا، قرآن کریم کی توہین کرنا۔

[2]: شریعت کی حرام کردہ چیزوں کی حرمت کو معمولی سمجھنا اور وعیدوں کو اہمیت نہ دینا جیسے زنا کی حرمت کو ہلکا سمجھنا، سود کی حرمت کو معمولی سمجھنا۔

4:استہزاء

شرعی احکام کا مذاق اڑانا جیسے ڈاڑھی کا مذاق اڑانا۔

5:تاویلِ باطل

کسی نص یا قطعی عقیدہ میں ایسی تاویل کرنا جو دیگر نصوص قطعیہ یا اجماعی عقیدہ کے خلاف ہو جیسے قادیانیوں کا خاتم النبیین میں تاویل کرکے اجرائے نبوت کا عقیدہ رکھنا۔

﴿تاویل﴾

عقائد کے بارے میں تاویل کو کافی اہمیت حاصل ہے اس لئے اس بارے چند باتیں تحریر کی جاتی ہیں۔

تاویل کا لغوی معنیٰ:

تاویل کا اصلی اور لغوی معنی ہے لوٹانا۔

تاویل کا اصطلاحی معنیٰ:

اصطلاحی اعتبار سے تاویل کہتے ہیں لفظ کا ظاہری معنی چھوڑ کر کوئی اور معنی مراد لینا بشرطیکہ لفظ اس معنی کا احتمال رکھتا ہو۔

تاویل کی قسمیں:

تاویل کی دو قسمیں ہیں:

1: تاویل صحیح:

کسی نص کا ایسا معنی مراد لینا جو دیگر نصوص اور اجماع امت کے خلاف بھی نہ ہو اور نص میں اس معنی کا احتمال بھی ہو تو یہ تاویل پانچ شرائط کے ساتھ جائز و مقبول ہے۔

﴿شرائط تاویل﴾

1: لغوی اور ظاہری معنیٰ مراد لینا متعذر ہو:

اگر کسی آیت یا حدیث کا ظاہری معنیٰ مراد لینا ناممکن ہو تو اس میں تاویل کرنا واجب ہے جیسے قرآن کریم کی وہ آیات جن میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے وہ الفاظ استعمال ہوئے ہیں جو مخلوق کے لئے بطور عضو استعمال ہوتے ہیں مثلاً ید، عین، ساق وغیرہ اب یہاں ان کا ظاہری معنی مراد لینا متعذر ہے کیونکہ اس سے اللہ تعالی کے لئے جسم ثابت ہوتا ہے۔ اس لئے یا تو اسے متشابہ قرار دیں گے اور تاویل نہیں کریں گے۔ اور یا اس میں مناسب

تاویل کرتے ہوئے ایسا معنی کریں گے جو اللہ تعالیٰ کی دوسری صفات کے مخالف نہیں ہوگا۔ چنانچہ یہ کہا جائے گا کہ ید سے مراد قدرت، عین سے مراد حفاظت و نگرانی ہے۔

2: ظاہری معنٰی کے خلاف دلیل یقینی موجود ہو:

اگر کسی آیت یا حدیث کے ظاہری معنٰی کے خلاف یقینی اور قطعی دلیل یعنی قرآن کریم کی غیر موول آیت ، حدیث متواتر یا اجماع موجود ہو تو ایسی صورت میں ظاہری معنٰی چھوڑ کر اس میں تاویل کرنا واجب ہے جیسے قرآن کریم کی وہ آیات جن سے بظاہر دو حیاتیں ثابت ہوتی ہیں: ایک دنیا والی اور دوسری آخرت والی۔ بظاہر اس آیت میں قبر کی حیات کی نفی ہوتی ہے اس لئے کہ اگر قبر کی زندگی مانی جائے تو زندگیاں تین بن جاتی ہیں

۔

لیکن یہ معنی ایسا ہے جو اجماع امت کے خلاف ہے کیونکہ اہل حق کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالی قبر میں میت کو اتنی حیات عطا فرماتا ہے جس سے وہ ثواب و عذاب کو محسوس کرتی ہے۔ اس لیے دو حیاتوں والی آیات میں مناسب تاویل کرتے ہوئے ہم کہتے ہیں:

اھل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ یہ ہے ایسی زندگی جس میں حیات کے آثار نظر آئیں اور وہ حیات کامل اور مستقل ہو وہ دو ہیں ایک دنیا کی دوسری آخرت کی۔ رہی قبر کی زندگی تو یہ آخرت کی زندگی کا مقدمہ ہے اور یہ ایسی مخفی حیات ہے جو کامل نہیں بلکہ نوع من الحیاۃ ہے جس میں میت یا اجزاء میت سے روح کا صرف اتنا تعلق رہتا ہے جس سے میت ثواب یا عذاب کو محسوس کرتی ہے۔ قبر کی زندگی کوئی مستقل زندگی نہیں جس طرح ماں کے پیٹ میں ملنے والی زندگی مستقل نہیں بلکہ دنیاوی زندگی کا مقدمہ ہے۔ ان آیات میں کلی اور ظاہری حیاتوں کا تذکرہ ہے۔

3:لفظ میں تاویل کا احتمال ہو:

حقیقی معنی کے ساتھ ساتھ دوسرا معنی اس وقت مراد لیا جاسکتا ہے جب لفظ اس معنی کا احتمال بھی رکھتا ہو جیسے اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ﴾ کہ اللہ زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے کا معنی یہ کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ پرندے کو انڈے سے نکالتا ہے تو یہ اس آیت کی "تفسیر" کہلائے گی اور اگر معنی یہ کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ مومن کو کافر سے یا عالم کو جاہل سے پیدا کرتا ہے تو یہ "تاویل" کہلائے گی۔

4:مؤوِّل اہل ہو:

یعنی تاویل کرنے والا قرآن کریم، حدیث مبارک اور عربی لغت، زبان کے محاورات سے واقف ہو۔

فائدہ: مؤول کے اہل ہونے کا معنی یہ ہے کہ تفسیر کے لیے جن پندرہ علوم کی ضرورت ہے یہ شخص ان علوم کا حامل ہو۔ وہ پندرہ علوم یہ ہیں:

[1]:لغت	[2]:نحو	[3]:صرف	[4]:اشتقاق
[5]:معانی	[6]:بیان	[7]:بدیع	[8]:قرأت
[9]:عقائد	[10]:اصولِ فقہ	[11]:اسبابِ نزول	[12]:ناسخ ومنسوخ
[13]:فقہ	[14]:احادیث	[15]:علمِ لدنی	

ان علوم کی تفصیل میری کی تصنیف "اصولِ تفسیر" میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

5:تاویل ضروریاتِ دین میں نہ ہو:

دین کے وہ بنیادی عقائد واحکام جو ہر کسی کو معلوم ہوں اور ان کا معنی ومفہوم متواتر ہو تو اس میں تاویل کرنا درست نہیں جیسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبیین ہونا نصوص قطعیہ سے ثابت ہے اور یہ عقیدہ ضروریات دین میں سے ہے اب کوئی شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین مان کر اس میں ظلی ، بروزی، تشریعی وغیر تشریعی کی تاویل کرکے کسی قسم کی نئی نبوت کا عقیدہ رکھتا ہے تو وہ کافر ہو گا۔

2: تاویل باطل:

نص کا ایسا معنی مراد لینا جو دیگر نصوصِ قطعیہ کے خلاف ہو اور نص اس معنی کا احتمال بھی نہ رکھتی ہو یہ تاویل باطل اور ناجائز ہے جیسے کوئی شخص یہ کہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کا نام "نبی" نہیں رکھ سکتے (تو یہ شخص زندیق ہے)

فائدہ:

"تاویل باطل" کو تاویل کہنا ایسے ہی ہے جیسے من گھڑت بات کو "حدیث موضوع" کہہ دیا جاتا ہے حالانکہ موضوع بات "حدیث" نہیں ہوتی لیکن اس پر حدیث کا لفظ اس لیے بول دیا جاتا ہے کیونکہ اسے گھڑ کر پیش کرنے والا اسے "حدیث" کہہ کر پیش کرتا ہے تو "حدیث موضوع" کہنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس شخص نے جو بات حدیث کے نام پر پیش کی ہے یہ بناوٹی اور گھڑی ہوئی بات ہے۔ بالکل اسی طرح کسی نص کا غلط مفہوم و مطلب بیان کرنے والا شخص اپنی اس توجیہہ کو "تاویل" کا نام دے کر پیش کرتا ہے اس لیے اس کا رد کرنے کے لیے "تاویل باطل" کا لفظ کہہ دیا جاتا ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس شخص نے جو توجیہہ "تاویل" کے نام پر پیش کی ہے یہ باطل اور غلط توجیہہ ہے۔

عدمِ تکفیر کے اسباب

جس شخص پر کفر کا فتویٰ لگایا جارہا ہے ضروری ہے کہ اس کی بات یا عمل میں موانع کفر موجود نہ ہوں۔ اگر اس شخص میں موانع کفر موجود ہوں تو ایسے شخص کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔

یہاں چند ایک موانع تکفیر ذکر کیے جاتے ہیں:

1: احتمال

اگر کوئی مومن ایسا جملہ یا کلمہ کہدے جس میں کئی احتمالات ہوں، ان میں اکثر احتمالات کفریہ اور کوئی ایک احتمال ایمان کا ہو تو اس کے بارے میں اچھا گمان رکھتے ہوئے اس کے قول میں تاویل کر کے اسے

کفر سے بچانے کی کوشش کی جائے گی جیسے امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمہ اللہ حتی الامکان قائل کے قول میں ایمان والے احتمال کو ترجیح دے کر اسے کفر کے فتویٰ سے بچاتے تھے۔

ہاں البتہ اگر قائل خود ہی کفر والے احتمال کو متعین کر دے تو پھر کسی کی تاویل اسے کفر سے نہیں بچا سکتی۔

تنبیہ: بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ کسی شخص میں ننانوے وجوہِ کفر ہوں اور ایک وجہ ایمان کی ہو تو بھی اس کو مسلمان سمجھا جائے گا حالانکہ یہ بات درست نہیں ہے۔ بلکہ اس کا صحیح بات یہ ہے کہ کسی شخص میں ننانوے وجوہ ایمان کی ہوں اور ایک ایسا جملہ ہو جس میں ننانوے احتمال کفر کے ایک ایمان کا ہو تو اسے کافر نہ کہا جائے بلکہ ایمان والے احتمال کو ترجیح دی جائے گی۔

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ (ت 1362ھ) "امداد الفتاویٰ" میں ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں۔ سوال و جواب دونوں نقل کیے جاتے ہیں:

سوال 498: مشہور ہے کہ اگر کسی شخص میں ننانوے وجہ کفر کی ہوں اور ایک وجہ اسلام کی تو اس پر کفر کا فتویٰ دینا نہ چاہئے تو شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بہت سے کلمات کو کفر کیلئے وضع کیا ہے تو پھر کلمات کفر کو کفر کیلئے وضع کرنے سے کیا فائدہ؟ اگر محض زجر مقصود ہے تو ہم دیکھتے ہیں کہ فی زماننا بڑے بڑے عالم بعض لوگوں کو ذرا ذرا سی بات پر بلکہ حقیقت میں کلماتِ کفر کے ارتکاب پر کفر کا فتویٰ دیتے ہیں، اس فتویٰ کو کس پر محمول کرنا چاہئے؟

جواب: اس کا یہ مطلب نہیں کہ اگر ننانوے باتیں کفر کی موجب پائی جاویں تب بھی فتویٰ نہ دیں گے، ننانوے تو بہت ہوتی ہیں اگر ایک امر بھی موجب کفر یقینی پایا جائے تب بھی فتویٰ دیدیں گے بلکہ مطلب یہ ہے کہ خود اس امر میں بہت سے احتمال ہیں بعض احتمالات پر تو وہ موجب کفر ہے اور وہ احتمالات ننانوے ہیں، اور بعض احتمال پر وہ موجب کفر نہیں اور وہ ایک ہے تو اس صورت میں اس امر کو محمول اسی احتمال پر کریں گے جو موجبِ کفر نہیں اور تکفیر سے احتیاط کریں گے۔

(امداد الفتاویٰ: ج4 ص393)

2:سبقت لسانی

اگر کسی انسان کی زبان اس کے قابو میں نہ ہو اور غیر اختیاری طور پر اس کی زبان سے کفریہ کلمہ نکل جائے تو وہ کافر نہ ہو گا جیسے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب کوئی بندہ اپنے گناہوں سے توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ پر اس شخص سے کہیں زیادہ خوش ہوتے ہیں جو ایک غیر آباد صحرا میں اپنی سواری پر سفر کر رہا ہو اس کا کھانا، پینا۔ ساز و سامان اسی وساری پر ہو اور وہ سواری گم ہو جائے۔ وہ انسان اس کی واپسی سے مایوس ہو کر ایک درخت کے سائے میں لیٹ جائے۔ وہ اسی مایوسی کے عالم میں اچانک دیکھتا ہے کہ وہ اونٹنی اس کے پاس کھڑی ہے، وہ اسے نکیل کی رسی سے پکڑ کر بے حد خوشی میں کہتا ہے اے اللہ! تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں۔ وہ بندہ خوشی کی شدت کی وجہ سے غلطی کر گیا۔

(صحیح مسلم: حدیث نمبر 2747)

3:اکراہ

اگر کسی بندے کو کفریہ کلمہ کہنے پر مجبور کیا جائے کہ فلاں کلمہ کہو ورنہ جان سے مار دیں گے یا تمہارا کوئی عضو کاٹ دیں گے اور وہ کفریہ کلمہ کہدے تو کافر نہیں ہو گا بشرطیکہ دل مطمئن ہو جیسے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے اپنی جان بچانے کے لیے کچھ نازیبا کلمات فرما دیے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر آپ کے ایمان کا فیصلہ فرما دیا۔

4:دینی ضرورت

اگر کوئی شخص کسی دینی ضرورت کی وجہ سے زبان سے کفریہ کلمہ کہہ دے تو وہ کافر نہیں ہو گا بشرطیکہ اس کے دل میں تصدیق موجود ہو اور اس کے اعتقادات میں کوئی ایسی چیز موجود نہ ہو جو تصدیق کے منافی ہو۔

جیسے حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کعب بن اشرف یہودی کو قتل کرنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے آپ علیہ السلام کی شان اقدس میں بعض غیر مناسب جملے کہے تھے۔

5: لزومِ کفر

اگر کوئی شخص ایسی بات کہے جو موجِب کفر نہ ہو اور کہنے والے کی نیت بھی کفریہ مضمون کی نہ ہو لیکن اس سے کفر لازم آرہا ہو تو محض لزوم کفر کی وجہ سے قائل کافر نہ ہوگا جب تک وہ کفر کا التزام نہ کرے ہاں اگر لزوم کفر یقینی اور بالکل واضح ہو تو پھر یہ بھی کفر ہوگا جیسے معتزلہ کے عقائد و نظریات کے بارے میں جب بحث ہو تو کہہ دیا جاتا ہے کہ ”معتزلہ کا یہ موقف کفر ہے“ اس کا معنی یہ ہوتا ہے کہ ”ان کی فلاں بات سے کفر لازم آتا ہے“ لزومِ کفر؛ کفر نہیں ہوتا اس لیے ہم معتزلہ کو ان کے عقائد فاسدہ کی وجہ سے کافر نہیں کہتے۔

﴿مرتکب کبیرہ کا حکم﴾

اگر کوئی مسلمان حالت ایمان میں کسی گناہ کا مرتکب ہو جائے تو اس کی وجہ سے اس پر کفر کا فتویٰ نہیں لگے گا۔ البتہ اگر وہ کسی گناہ کو حلال سمجھ کر کرتا ہے تو پھر کافر ہو جائے گا۔

تنبیہ:

بعض احادیث میں کچھ گناہوں کے ارتکاب پر عدمِ ایمان کا حکم لگایا گیا جیسے جان بوجھ نماز چھوڑنے والے کو حدیث میں کافر کہا گیا تو ایسی روایات کے بارے درج ذیل باتیں ذہن میں رہیں:

1: اس سے مراد یہ ہے کہ اس شخص نے کافروں والا کام کیا۔

2: یہ وعید اس شخص کے لیے ہے جو نماز کا انکار کرے۔

3: یہ باعتبار انجام کے بتایا گیا ہے کہ جب انسان نماز کو چھوڑ دے گا تو بالآخر یہ کام اسے کفر تک لے جائے گا۔ یعنی یہ خدشہ ظاہر کیا گیا ہے کہ اس کے بارے میں کفر پر مرنے کا خدشہ ہے۔

﴿جن لوگوں کو اسلام کی دعوت نہ پہنچی ان کا اُخروی حکم﴾

اس اعتبار سے افراد کی چار قسمیں ہیں:

[1]: ایک شخص کو دعوتِ اسلام نہیں پہنچی اور وہ عقیدہ توحید کے بغیر دنیا سے چلا گیا اور اس میں وجودِ باری تعالیٰ، توحید باری تعالیٰ وغیرہ میں غور و فکر کرنے کی صلاحیت موجود تھی تو وہ عند اللہ معذور نہیں ہو گا بلکہ اس کا مؤاخذہ ہو گا۔

[2]: ایک شخص کو دعوتِ اسلام نہیں پہنچی اور وہ عقیدہ توحید کے بغیر دنیا سے چلا گیا اور اس میں غور و فکر کرنے کی صلاحیت موجود نہیں تھی تو آخرت میں اس کا امتحان ہو گا کہ یہ شخص اللہ کی اطاعت کرتا ہے یا نہیں؟ چنانچہ ایک منادی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس شخص کو پیغام دے گا کہ آگ میں داخل ہو جاؤ! اگر یہ اس آگ میں داخل ہوا تو وہ آگ اس پر ٹھنڈک اور پر امن ہو جائے گی اور یہ اطاعت گزار شمار ہو گا۔ اس صورت میں اس کا مؤاخذہ نہیں ہو گا۔ اگر اس نے اطاعت نہ کی تو یہ نافرمان شمار ہو گا۔ اس صورت میں اس کا مؤاخذہ ہو گا۔

[3]: ایک شخص میں عقل و فہم موجود ہے لیکن اس کو دعوتِ اسلام نہیں پہنچی اور وہ عقیدہ توحید کے بغیر دنیا سے چلا گیا اور اس شخص نے معاصی کا ارتکاب بھی کر رکھا ہو تو ارتکابِ معاصی کی وجہ سے اس کا مؤاخذہ نہیں ہو گا کیونکہ اجتناب عن المعاصی کی بنیاد رسول یا کسی داعی کا اسے دعوت دینا ہے۔ البتہ توحید نہ ہونے کی وجہ سے مواخذہ ہو گا۔

[4]: ایک شخص میں عقل و فہم موجود ہے، اس کو دعوتِ اسلام بھی پہنچی ہے لیکن وہ عقیدۂ توحید کے بغیر دنیا سے چلا گیا اور اس نے معاصی کا ارتکاب بھی کر رکھا ہو تو اس شخص کو عدم ایمان کی وجہ سے عذاب ہو گا اور ارتکابِ معاصی کی وجہ سے ازدیادِ عذاب ہو گا۔

﴿کسی شخص پر لعنت کرنے کا حکم﴾

لعنت کا لغوی معنیٰ:

لعنت؛ لغت میں دور کرنے کو کہتے ہیں۔

لعنت کا اصطلاحی معنیٰ:

لعنت کا شرعی معنیٰ کافروں کے حق میں انہیں اللہ کی رحمت سے دور کرنا اور مومنین کے حق میں انہیں اَبرار (نیک صالح لوگوں) کے درجہ سے محروم کرنا ہے۔

لعنت بھیجنے کے حکم کی تفصیلات:

افراد اور ان کے احوال کے پیشِ نظر ان پر لعنت بھیجنے کے حکم میں کچھ تفصیل ہے۔

[1]: ایسے افراد جن کی موت حالتِ کفر پر ہوئی ہو ان کا نام لیے بغیر ان پر لعنت کرنا جائز ہے۔ جیسے یوں کہنا کہ ”کفر پر مرنے والوں پر لعنت ہو“۔

[2]: ایسے افراد جن کے بارے میں یقین ہو کہ ان کی موت حالتِ کفر پر ہوئی ہے ان کا نام لے کر ان پر لعنت کرنا جائز ہے۔ جیسے یوں کہنا کہ فرعون پر لعنت، ابو جہل (عمرو بن ہشام) پر لعنت۔

[3]: زندہ یا مردہ کی قید کے بغیر مطلقاً کافر پر لعنت بھیجنا بھی جائز ہے چاہے ان کفار کا وصفِ عام (کفر) ذکر کر کے لعنت کی جائے یا وصفِ خاص (مثلاً یہودیت، نصرانیت وغیرہ) ذکر کر کے لعنت کی جائے۔ جیسے یوں کہنا کہ کافروں پر اللہ کی لعنت، یہود و نصاریٰ پر اللہ کی لعنت۔

[4]: جو شخص زندہ ہو اور حالتِ کفر میں ہو تو اس کا نام لے کر اس پر لعنت بھیجنا جائز نہیں۔

فائدہ:

اس سے مراد وہ شخص ہے میں ایسے قرائن پائے جاتے ہوں جن سے معلوم ہوتا ہو کہ یہ شخص علی الدوام کفر پر نہیں رہے گا کہ اس کی موت بھی کفر پہ آئے بلکہ اس میں امکان ہو کہ یہ کسی وقت مسلمان ہو سکتا ہے، ایسے شخص پر لعنت بھیجنا جائز نہیں۔ہاں اگر کوئی شخص ایسا ہو جو کافر ہے لیکن اس کے بارے میں قرائن وشواہد ایسے ہوں جن سے معلوم ہوتا ہو کہ یہ کبھی بھی اسلام نہ لائے گا تو اس پر لعنت کرنا جائز ہو گا کیونکہ یہاں مقصد اس شخص کے شر سے مسلمانوں کو خبر دار کرنا اور بچانا ہے۔

[5]: اگر کوئی کافر ایسا ہو جو زندہ ہو، اسلام کا صریح مخالف ہو، اپنی تصنیف، تقریر اور اثر ورسوخ کے ذریعے اسلام کو نقصان پہنچاتا ہو، ضدی اور ہٹ دھرم ہو تو اس کا نام لے کر اس پر لعنت بھیجنا جائز ہے۔

[6]: جس شخص کا کفر پر مرنا کسی دلیل سے معلوم نہ ہو تو اس کا نام لے کر اس پر لعنت کرنا جائز نہیں۔

[7]: ایک شخص کفر پر مر گیا اور اس کا کفر پر مرنا یقینی ہو اور وہ شخص جب تک زندہ تھا اسلام کے لیے نقصان کا باعث نہیں تھا، اگر اس شخص پر لعنت بھیجنے سے اس کے کسی رشتہ دار مسلمان کو تکلیف پہنچتی ہو تو اس شخص پر لعنت نہیں بھیجنی چاہیے۔ جیسے ایک شخص کافر تھا اور اس کا بیٹا مسلمان ہے، اگر اس کافر پر لعنت بھیجیں تو اس کے بیٹے کو تکلیف ہو گی تو اب اس پر لعنت نہ بھیجی جائے۔

[8]: ایسے زندہ مسلمان جو گناہِ کبیرہ کے مرتکب ہوں تو ان کے کسی فرد کو متعین کیے بغیر ان کو اس گناہ کے ساتھ متصف کر کے ان پر لعنت کرنا جائز ہے۔ جیسے یوں کہنا: ان مردوں پر لعنت جو عورتوں کی مشابہت اختیار کرتے ہیں اور ان عورتوں پر لعنت جو مردوں کی مشابہت اختیار کرتی ہیں۔

[9]: مسلمان جو گناہِ کبیرہ کے مرتکب ہوں ان کے فردِ معین پر لعنت بھیجنا جائز نہیں ہے۔

[10]: فوت شدہ مسلمان فاسق ہو تو اس کا نام لے کر اس پر لعنت کرنا جائز نہیں۔

﴿چند اصطلاحات﴾

اہلِ قبلہ

لغوی معنی:

لغوی اعتبار سے ”اہل قبلہ“ ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جو بیت اللہ کی طرف رخ کر کے نماز ادا کریں۔

اصطلاحی معنی:

اصطلاح شریعت میں اہل قبلہ سے مراد ضروریات دین کو ماننے والے، اہل ایمان اہل اسلام ہیں۔

اہلِ قبلہ کا حکم:

اہل قبلہ میں سے کسی کو گناہ کرنے کی وجہ سے کافر کہنا جائز نہیں ہاں اگر وہ کسی گناہ کو حلال سمجھتا ہے تو پھر استحلال معصیت کی وجہ سے کافر ہو گا۔

فائدہ نمبر 1:

یہ جو کہا جاتا ہے کہ ”اہلِ قبلہ کو کافر نہ کہا جائے“ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ

1: انہیں ارتکابِ معاصی کی وجہ سے کافر نہ کہا جائے۔

2: انہیں عقائد ظنیہ کے انکار کی وجہ سے کافر نہ کہا جائے۔

3: انہیں امور خفیہ غیر مشہورہ (امورِ غیر بدیہہ) کے انکار کی وجہ سے کافر نہ کہا جائے۔

فائدہ نمبر2:

”امور خفیہ غیر مشہورہ“ سے مراد وہ اعتقادات ہیں جو عوام میں زیادہ شہرت نہ پاتے ہوں اور ان کا سمجھنا نظر و فکر پر منحصر ہو۔ جیسے قرآن کریم کا قدیم ہونا، فرشتوں پر انبیاء علیہم السلام کی فضلیت وغیرہ۔ اسی طرح فقہاء

کے اجتہادی مسائل بھی اس قسم میں داخل ہیں مثلاً ”قروء“ سے مراد حیض ہونا، ربوی چیزوں میں کمی زیادتی اور ادھار کا حرام ہونا۔

فائدہ نمبر 3:

عوام الناس میں اہلِ قبلہ کا جو اصطلاحی مفہوم مشہور ہے کہ ”اہلِ قبلہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں“ تو یہ مفہوم غلط ہے۔ ”اہلِ قبلہ“ ایک شرعی اصطلاح ہے جس کی مخصوص مراد ہے یعنی ضروریات دین کو ماننے والے لوگ۔ جس طرح ”خلافتِ راشدہ“ اور ”خلفائے راشدین“ شرعی اصطلاحات ہیں جن کی مراد یہ ہے کہ آیت استخلاف (سورۃ النور: آیت 55) میں جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی خلافت کا وعدہ کیا گیا ہے وہ چار ہیں اور ان کی خلافت کو ”خلافتِ راشدہ“ کہتے ہیں۔

ایمان و کفر:

ایمان اور کفر دو متضاد چیزیں ہیں۔ ایمان؛ صحت جبکہ کفر؛ بیماری ہے۔ جس طرح صحت مند ہونے کے لئے تمام بیماریوں سے پاک ہونا ضروری ہے لیکن بیمار ہونے کے لئے کسی ایک بیماری کا لگ جانا بھی کافی ہے اسی طرح مومن ہونے کے لئے تمام ضروریاتِ ایمان کی تصدیق ضروری ہے اور کافر ہونے کے لئے ضروریات ایمان میں سے کسی ایک کا انکار بھی کافی ہے۔

سنت و بدعت:

سنت اور بدعت دو متضاد چیزیں ہیں۔ سنت؛ صحت جبکہ بدعت؛ بیماری ہے۔ جس طرح صحت مند ہونے کے لئے تمام بیماریوں سے پاک ہونا ضروری ہے لیکن بیمار ہونے کے لئے کسی ایک بیماری کا لگ جانا بھی کافی ہے اسی طرح اھل السنۃ والجماعۃ ہونے کے لئے تمام ضروریاتِ اھل السنۃ والجماعۃ کی تصدیق ضروری ہے اور بدعتی ہونے کے لئے ضروریاتِ اھل السنۃ والجماعۃ میں سے کسی ایک کا انکار بھی کافی ہے۔

شاذ:

ایک مسئلہ پر اہل حق کے 99 افراد متفق ہیں اور اس مسئلہ میں اہلِ حق کا ایک فرد اختلاف کرتا ہے تو ان میں 99 کو سوادِ اعظم اور ایک کو "شاذ" کہتے ہیں۔

حکم:

"شاذ" کی اتباع نہیں کریں گے بلکہ "سوادِ اعظم" کی کریں گے۔

فائدہ نمبر 1:

"شاذ" رائے کو گمراہ تو نہیں کہیں گے کیونکہ یہ اہلِ حق کے فرد کی رائے ہے، اسے "تفرد" کہیں گے۔

فائدہ نمبر 2:

اگر وہ فرد اپنی رائے کو حق کہہ کر دوسروں کی تضلیل کرتا ہے تو اس فرد کو "ضال" اور "مضل" کہیں گے۔

فائدہ نمبر 3:

اگر کوئی شخص اس فرد کی رائے کو "مذہب" بنا کر مشہور کرے تب بھی اس کو "ضال" اور "مضل" کہیں گے۔

فرقہ:

مستقل عقائد و مسائل کے حاملین افراد پر مشتمل گروہ کا نام "فرقہ" ہے۔ مثلاً منکرینِ حدیث، منکرینِ فقہ ایسے گروہ ہیں جنہوں نے عقائد اور مسائل میں اہل حق سے اختلاف کر رکھا ہے۔

فائدہ نمبر 1:

فرقہ کی دو قسمیں ہیں:

۱: فرقہ ناجیہ

اگر کسی فرقہ کے عقائد و مسائل درست ہوں تو وہ فرقہ ناجیہ، اہلِ حق ہو گا۔

۲: فرقہ ضالہ

اگر کسی فرقہ کے عقائد و مسائل غلط ہوں تو وہ فرقہ ضالہ ہو گا۔

فائدہ نمبر 2:

فرقہ ضالہ کی دو قسمیں ہیں:

۱: فرقہ ضالہ کافرہ:

اگر کوئی فرقہ ضروریاتِ دین کے مقابلے میں چند ایک ضروریاتِ دین گھڑ لے یا ضروریاتِ دین میں سے کسی ایک کا انکار کر دے تو یہ فرقہ ضالہ کافرہ ہو گا۔ جیسے ختمِ نبوت کے منکرین، قرآن کریم کے منکرین، حدیث مبارک کے منکرین، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے منکرین۔

۲: فرقہ ضالہ مبتدعہ:

اگر کوئی فرقہ ضروریاتِ اھل السنۃ والجماعۃ کے مقابلے میں چند ایک عقائد و مسائل گھڑ لے یا ضروریاتِ اھل السنۃ والجماعۃ میں سے کسی ایک کا انکار کر دے تو وہ فرقہ ضالہ مبتدعہ ہو گا، البتہ فرقہ کافرہ نہیں ہو گا۔ جیسے عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے منکرین۔

﴿دین، مسلک، مذہب، منہج﴾

دین:

منصوصات قطعیّات کا نام ہے جن کا انکار کفر ہے یعنی اسلام کا نام دین ہے۔

مسلک:

منصوصات ظنیّات کا نام ہے جن کا انکار اھل السنۃ والجماعۃ سے خروج ہے جیسے عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرنا۔

فائدہ: منصوصات ظنیہ دو قسم کے ہیں:

1: ظنی الثبوت

وہ منصوصات جو ثبوت کے اعتبار سے قطعی اور یقینی نہ ہوں یعنی ہر زمانہ میں اس کے نقل کرنے والے اس قدر زیادہ نہ ہوں کہ ان سب کا جھوٹی خبر پر اتفاق کر لینے کو عقل محال سمجھتی ہو۔ جیسے اخبارِ آحاد۔

2: ظنی الدلالت

ایسی نصوص جن کی دلالت کے اپنے مفہوم پر یقینی نہ ہو یعنی اس کا مفہوم حتمی اور واضح نہ ہو، اس میں کسی دوسرے معنی کا احتمال پایا جاتا ہو۔ جیسے مؤول آیات

ملحوظہ:

منصوصاتِ ظنیہ کا انکار اھل السنۃ والجماعۃ سے خروج اس وقت شمار ہو گا جب وہ منصوص ظنی کسی عقیدہ کے بارے میں ہو۔ مذکورہ مثال فرعی مسئلہ کے بارے میں ہے۔ اس لیے اگر کوئی مجتہد اس سے اختلاف کرے تو وہ اھل السنۃ والجماعۃ سے خارج نہ ہو گا کیونکہ اعتقادی اختلاف کا حکم الگ ہے اور فرعی اختلاف کا حکم الگ ہے۔

مذہب:

اجتہادیّات کا نام ہے۔ جس میں ہر مجتہد اپنے گمان اور علم کے مطابق اجتہاد درست کرتا ہے البتہ اس میں خطا کا امکان ہوتا ہے۔ اگر مجتہد کا اجتہاد واقعتاً درست ہو تو دہرا اجر اور اگر خطا ہو جائے تو اکہرا اجر ملتا ہے۔ مجتہد کے اجتہادی مسائل کو مذہب سے بھی تعبیر کر دیا جاتا ہے جیسے فقہ کی کتابوں میں ہوتا ہے هذا مذہب ابی حنیفة۔

منہج:

طریقہ کار اور پالیسی کا نام ہے۔ جیسے دیوبند۔

فائدہ نمبر 1:

"دِیْنُنَا الْاِسْلَامُ"	ہمارا دین اسلام ہے۔
"مَسْلَکُنَا أَھْلُ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ"	ہمارا مسلک اھل السنۃ والجماعۃ ہے۔
"مَذْھَبُنَا الْحَنَفِيْ"	ہمارا مذہب احناف ہے۔
"مَنْھَجُنَا الدِّیُوْبَنْد"	ہمارا منہج، دیوبند ہے۔

فائدہ نمبر 2:

- کبھی مذہب کا استعمال دین پر بھی ہوتا ہے اور کبھی دین کا استعمال پر مذہب بھی ہوتا ہے۔ جیسے بعض فارم میں مذہب کا خانہ ہوتا ہے اور مقصود اس سے "دین" کا سوال کرنا ہوتا ہے۔
- بعض لوگ غلط فہمی کی بناء پر مسالک کے اختلاف کو ادیان کا اور ادیان کے اختلاف کو مسالک کا اختلاف کہہ دیتے ہیں جو کہ درست نہیں۔
- بعض لوگ غلط فہمی کی بناء پر مذاہب کے اختلاف کو ادیان کا اور بعض ادیان کے اختلاف کو مذہب کا اختلاف کہہ دیتے ہیں جو کہ درست نہیں۔

فائدہ نمبر 3:

- ادیان کا اختلاف؛ یہ حق اور باطل بمعنی کفر اور اسلام کا اختلاف ہے۔
- مسلک کا اختلاف؛ یہ حق اور باطل بمعنی سنت و بدعت، ہدایت و ضلالت کا اختلاف ہے۔
- مذہب کا اختلاف؛ یہ حق اور خطا کا اختلاف ہے جو باعثِ رحمت ہے۔
- منہج کا اختلاف؛ یہ طریقہ کار اور پالیسی کا اختلاف ہے۔

﴿چند الفاظ میں فرق﴾

تشدد اور تسدد میں فرق:

تشدد: اپنے موقف پر سخت ہونا۔ جیسے لوہے کا زنجیر جو سخت ہونے کے باجود ٹوٹ جاتا ہے۔

تسدد: اپنے موقف پر مضبوط ہونا۔ جیسے ریشم کا رسہ جو نرم ہونے کے باجود نہیں ٹوٹتا۔

تعصب اور تصلب میں فرق:

تعصب: ضد و عناد کی بنیاد پر اپنے موقف پر پختگی سے کاربند رہنا

تصلب: دلائل کی بنیاد پر اپنے موقف پر پختگی سے کاربند رہنا

فائدہ:

بہتر یہ ہے کہ مسلکِ حق پر پختگی کو ”تمسک“ کے لفظ سے تعبیر کیا جائے۔

چند کتب

اھل السنۃ والجماعۃ کے عقائد اور اصول عقائد کو پڑھنے، معلوم کرنے اور سمجھنے کے لئے ان کتب کا مطالعہ انتہائی مفید رہے گا۔

[1]: الفقہ الاکبر۔ امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمہ اللہ ت150ھ
(مع شرح الفقہ الاکبر۔ امام علی بن سلطان بن محمد ہروی المعروف ملا علی قاری حنفی رحمہ اللہ ت1014ھ،
شرح الفقہ الاکبر۔ متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن)

[2]: عقیدہ طحاویہ۔ امام ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامہ بن سلمہ طحاوی رحمہ اللہ ت 321ھ
(مع شرح عقیدہ طحاویہ۔ متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن)

[3]: العقائد النسفیۃ۔ امام نجم الدین ابو حفص عمر بن محمد بن احمد النسفی الحنفی (ت537ھ)
(مع شرح العقائد النسفیہ۔ سعد الدین مسعود بن عمر بن عبد اللہ تفتازانی رحمہ اللہ ت792ھ،
شرح عقائد نسفیہ۔ متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن)

[4]: العقیدۃ الحسنۃ۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ ت1176ھ
(مع شرح العقیدۃ الحسنۃ۔ متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن)

[5]: المہند علی المفند۔ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ ت1348ھ
(مع حاشیہ المہند علی المفند۔ متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن)

[6]: اکفار الملحدین۔ خاتم المحدثین حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ1352ھ

[7]: عقائد الاسلام۔ شیخ التفسیر والحدیث مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ ت1394ھ

[8]: جواہر الفقہ جلد اول۔ مفتی محمد شفیع عثمانی دیوبندی رحمہ اللہ ت1396ھ

[9]: العقائد الاسلامیۃ مع اردو ترجمہ اسلامی عقائد۔ متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن

[10]: کتاب العقائد۔ متکلم اسلام مولانا محمد الیاس گھمن

مشق نمبر 2

مختصر جواب لکھیں:

1. ایمان اجمالی اور ایمان تفصیلی کی تعریف لکھیں۔
2. اقرار باللسان کب ضروری ہے؟۔
3. ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے؟ اس پر ایک مدلل نوٹ لکھیں۔
4. کفر کی کتنی اقسام ہیں؟ صرف تعداد بتائیں۔
5. موالات اور مدارات کی تعریف اور حکم بیان کریں۔
6. تکفیر کے اسباب کی تعداد لکھ کر کسی ایک کی وضاحت کریں۔
7. تاویل کی شرائط بیان کرنے کے بعد کسی ایک شرط کی وضاحت کریں۔
8. سبقت لسانی سے بندہ کافر نہیں ہوتا۔ اس پر استاذ صاحب کے مشورہ سے ایک جامع نوٹ لکھیں۔
9. اہل قبلہ کی تعریف لکھیں۔
10. دین، مسلک، مذہب اور منہج کا معنیٰ بیان کریں۔